جماعتی زندگی کے مہلک ترین مرض

کی حقیقت اور اللہ کی جانب سے اس کی شدید مذمت

نحمدہٗ ونصلّی علٰی رسولہِ الکریم ...... امّا بعدُ :

اعوذ باللّٰہ من الشیطٰن الرجیم ...... بسم اللّٰہ الرحمٰن الرحیم

﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ؕ مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ہُوَ رَابِعُہُمْ وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ہُوَ سَادِسُہُمْ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ہُوَ مَعَہُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ۚ ثُمَّ یُنَبِّئُہُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ؕ اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُہُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُہُوْا عَنْہُ وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ۫ وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِہِ اللّٰہُ ۙ وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِہِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰہُ بِمَا نَقُوْلُ ؕ حَسْبُہُمْ جَہَنَّمُ ۚ یَصْلَوْنَہَا ۚ فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۸﴾ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ؕ وَاتَّقُوا اللّٰہَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۹﴾ اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَیْسَ بِضَآرِّہِمْ شَیْئًا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰہِ ؕ وَعَلَی اللّٰہِ فَلْیَتَوَکَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰﴾ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَکُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰہُ لَکُمْ ۚ وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا یَرْفَعِ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرٌ ﴿۱۱﴾ یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَیْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقَۃً ؕ ذٰلِکَ خَیْرٌ لَّکُمْ وَاَطْہَرُ ؕ فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۱۲﴾ ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیْ نَجْوٰىکُمْ صَدَقٰتٍ ؕ فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا وَتَابَ اللّٰہُ عَلَیْکُمْ فَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ ؕ وَاللّٰہُ خَبِیْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳﴾﴾

(المُجادلة)...... صدق اللّٰہ العظیم

دینی ہیئتِ اجتماعیہ کے خلاف شیطان کے ہتھکنڈے

دینی مقاصد اور بالخصوص اقامت دین کے لیے جو بھی ہیئتِ اجتماعیہ وجود میں آتی ہے وہ یقیناً شیطان کی دشمنی کے لیے اور اسے للکارنے کے لیے ہی وجود میں آتی ہے' لہٰذا شیطان کے حملے کا سب سے بڑا نشانہ اور ہدف بھی وہ اجتماعیت ہی بنتی ہے۔ اس پہلو سے غور کیا جائے تو شیطان کے حملہ آور ہونے کے مختلف راستے ہیں۔ اوّلاً اس کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ اس ہیئتِ اجتماعیہ میں شریک ہر فرد کے دل میں وسوسہ اندازی کرے اور اس کے نفسانی داعیات اور محرکات کو مشتعل کرے۔ یہ کوشش تو شیطان ہر فردِ نوعِ بشر کے لیے کرتا ہے اور ظاہر بات ہے کہ ایسے اشخاص کے لیے جو کسی ایسی اجتماعیت میں شریک ہوں جو شیطان کو للکارنے کے لیے وجود میں آئی ہو' اس کی یہ کوششیں دوچند ہو جائیں گی۔ پھر اس سے آگے بڑھ کر وہ ایسے اشخاص کے باہمی رشتے کو کمزور کرنے' ان کی جمعیت میں رخنے ڈالنے' ان کے دلوں میں ایک دوسرے کے خلاف بدگمانیاں پیدا کرنے اور ایک دوسرے کے خلاف دلوں میں کدورت پیدا کرنے کی کوشش کرتا ہے' تاکہ یہ بنیانِ مرصوص نہ بن سکیں' ان کے مابین ایک دوسرے کے خلاف غلط فہمیاں پیدا ہوں اور ایک

دوسرے سے بغض اور عداوت پیدا ہو جائے۔ یہ شیطان کی دوسری کوشش ہے۔ تیسری کوشش اس کی خاص طور پر یہ ہوتی ہے کہ اس اجتماعیت کے نظم کو بگاڑے اور اس نظم میں امیر اور مأمورین کے مابین جو ربط و تعلق ہے' اسے خراب کرے۔ اصل میں تو امیر اور مأمورین کے مابین یہ تعلق ہی ہے جو کسی نظم کے مؤثر ہونے میں سب سے زیادہ مفید ہے اور یہی چیز فیصلہ کن بھی ہے۔ تو اس اعتبار سے اس کا تیسرا حملہ اس تعلق کو کمزور کرنے کے لیے ہوتا ہے۔

جہاں تک پہلی بات کا تعلق ہے وہ تو ہمارے اصل منتخب نصاب کے مختلف اسباق اور حصوں میں زیر بحث آتی ہے' دوسرا معاملہ بھی بالخصوص سورۃ الحجرات میں تفصیل سے زیر بحث آیا ہے۔ اس میں مسلمانوں کی شیرازہ بندی کے ضمن میں جو مثبت احکام دیے گئے اور جن چیزوں سے روکا گیا ان کو اپنے ذہن میں تازہ کر لیجیے۔ میں عام طور پر درس کے دوران یہ واضح کیا کرتا ہوں کہ اس کی کیا اہمیت ہے' مسلمانوں کی یہ شیرازہ بندی کیوں مطلوب ہے' اس میں پیدا ہونے والے رخنوں کا سدّ باب اتنا اہم کیوں ہے کہ اس کے لیے قرآن حکیم میں اس قدر اہتمام سے احکام دیے گئے ہیں؟ سورۃ الحجرات میں دو بڑے احکام نازل ہوئے ہیں اور ساتھ ہی دو آیات (۱۱' ۱۲) میں چھ نواہی نازل ہوئے ہیں۔ جن چھ کاموں سے خاص طور پر روکا گیا ہے وہ یہ ہیں: تمسخر واستہزاء' عیب جوئی کرنا' ایک دوسرے کو برے ناموں سے پکارنا' سوءِ ظن پیدا کرنا' کسی کی برائی تلاش کرنے کے لیے اس کی ٹوہ میں لگے رہنا اور غیبت کرنا۔ اس لیے کہ ایک دوسرے کے مابین بدگمانی پیدا کرنا' دلوں کو پھاڑ دینا' کدورتیں پیدا کرنا' حسنِ ظن ختم کر کے سوءِ ظن کے بیج بو دینا' یہ تمام چیزیں خطرناک ہیں۔ درحقیقت ان کی اصل اہمیت اس اعتبار سے ہے کہ کسی بھی فصیل کی مضبوطی کا دارومدار دو چیزوں پر ہے۔ ایک تو یہ کہ ہر اینٹ اپنی جگہ پختہ ہو اور دوسرے ان اینٹوں کو جوڑنے والا مواد یعنی سیمنٹ مضبوط ہو۔ اینٹوں کا پختہ ہونا انفرادی سیرت و کردار کی پختگی کا پروگرام ہے جو ہمارے منتخب نصاب کے حصہ سوم کا موضوع ہے۔ ان اینٹوں کو باہم جوڑنے' مضبوط کرنے اور ان میں کسی رخنے کو راہ نہ پانے دینے کے ضمن میں احکامات سورۃ الحجرات میں آ گئے کہ اس اجتماعیت میں شریک افراد کے مابین اگر کہیں اختلاف ہو تو اسے فوراً رفع کرنے کی کوشش کرو' افتراق کی روش درست نہیں ہے۔ خواہ مخواہ کی افواہوں پر اعتماد نہ کرو' بلکہ افواہوں کی روک تھام کرو۔

یہ دو حکم تو بڑے ہیں۔ ان کے علاوہ جو چھ نواہی ہیں ان میں یہ بھی ہے کہ ایک دوسرے کا استہزاء نہ کرو' تمسخر نہ کرو۔ بسا اوقات آدمی اپنے کسی دوست اور رفیق سے یوں ہی لائٹ موڈ میں کوئی بات کرتا ہے اور اس سے اس کا دل دکھانا مقصود نہیں ہوتا۔ اور یہ بھی واقعہ ہے کہ ممکن ہے وہ دوست اس سے قبل دس بار وہ بات ہنس کر ٹال چکا ہو' لیکن عین ممکن ہے کہ گیارہویں مرتبہ وہ بات تیر کی طرح سیدھی اس کے دل پر جا لگے اور اس کا دل زخمی ہو جائے۔ اب نتیجتاً اس سے محبت کا تعلق کمزور پڑے گا اور اس کے دل کی کیفیت کھردری سطح کی مانند ہو جائے گی جس پر اب میل جمنا شروع ہو جائے گا۔ لہٰذا فرمایا گیا ہے کہ استہزاء سے بچو۔ از روئے الفاظِ قرآنی: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا یَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُوْنُوْا خَیْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓی اَنْ یَّكُنَّ خَیْرًا مِّنْهُنَّ ج﴾ (الحجرات: ۱۱) ''اے ایمان والو! (تم میں سے) کوئی گروہ دوسرے گروہ کا مذاق نہ اڑائے' ہوسکتا ہے کہ وہ ان (مذاق اڑانے والوں) سے بہتر ہوں اور نہ عورتیں دوسری عورتوں کا مذاق اڑائیں' ہوسکتا ہے وہ ان (مذاق اڑانے والیوں) سے بہتر ہوں''۔ یہ تو ایسا حکم ہے جو مَردوں کے ساتھ ساتھ عورتوں کے لیے بھی دہرا کر لایا گیا ہے۔ اگلی بات یہ فرمائی کہ: ﴿وَلَا تَلْمِزُوْٓا اَنْفُسَكُمْ﴾ ''اور ایک دوسرے کی عیب چینی نہ کرو (تہمتیں نہ لگاؤ)'' اگر کسی کا واقعی کوئی ایسا معاملہ ہے تو خواہ مخواہ اسے جتلانا درست نہیں ہے' اس سے بھی اس کی عزتِ نفس کو مجروح کرنا مقصود ہوتا ہے۔ یہ بھی وہ چیز ہے جو باہمی رشتۂ اُلفت کو ختم کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا: ﴿وَلَا تَنَابَزُوْا بِالْاَلْقَابِ ط﴾ ''اور ایک دوسرے کو (بُرے) ناموں سے نہ پکارو''۔ وہ نام کہ جو خواہ مخواہ کسی کو چھیڑنے کے لیے ہوں ان سے شدت کے ساتھ منع کیا گیا ہے۔ پھر یہ کہ سوءِ ظن سے بچو! اس کے لیے الفاظ آئے ہیں: ﴿اِجْتَنِبُوْا كَثِیْرًا مِّنَ الظَّنِّ ز اِنَّ بَعْضَ الظَّنِّ اِثْمٌ﴾ ''بہت زیادہ گمان کرنے سے بچو! یقیناً بعض گمان گناہ ہیں''۔ اس سے آگے ہے: ﴿وَلَا تَجَسَّسُوْا﴾ ''اور تجسّس نہ کرو''۔ اگر کوئی ناخوشگوار چیز سامنے آ بھی گئی ہے تو پردہ پوشی کرو' نہ یہ کہ خود پردے اٹھا اٹھا کر دیکھنے کی کوشش کرو۔

غیبت = جماعتی زندگی میں رخنہ اندازی کا ایک بڑا ذریعہ

اس سلسلۂ نواہی میں مزید ارشاد ہے: ﴿وَلَا یَغْتَبْ بَّعْضُكُمْ بَعْضًا ط﴾ ''اور تم میں کا ایک دوسرے کی غیبت نہ کیا کرے''۔ اس لیے کہ غیبت تو سب سے ثقیل اور قبیح حرکت ہے۔ غیبت یہ ہے کہ اپنے کسی بھائی کی کسی برائی یا عیب کا ذکر اس کی عدم موجودگی میں کرنا۔ ویسے تو یہ باتیں ہمارے عام مجلسی اور معاشرتی آداب میں شامل ہیں' لہٰذا ہر مسلمان کے ساتھ یہی معاملہ کرنا ہے' لیکن اقامتِ دین جیسے عظیم مقصد کے لیے قائم کی گئی جماعت کے رفقاء کے لیے ان احکامات کی ضرورت و اہمیت سو گنا بڑھ جاتی ہے اور انہیں ان تمام چیزوں کا سو گنا زیادہ اہتمام کرنا چاہیے' اس لیے کہ یہاں شیطان سو گنا زیادہ زور لگائے گا۔

جماعتی نظم کے حوالے سے غیبت خاص طور پر قابلِ وضاحت ہے۔ جان لیجیے کہ ایک تو تنقید ہوتی ہے کہ کسی کو اس کی کسی کمزوری' کوتاہی اور کسی عیب وغیرہ پر متنبہ اور مطلع کرنا۔ یہ تو اصلاح کے لیے اجتماعیت کی ایک اہم اور ناگزیر ضرورت ہے۔ لیکن اس کے کچھ آداب ہیں۔ اوّلاً یہ کہ آپ اپنے کسی بھائی میں کوئی کمزوری دیکھیں تو خود اُس سے

اُس معاملے میں بات کریں‘ اسے تنہائی میں سمجھائیں اور مطلع کریں‘ سب کے رُوبرواُس کا تذکرہ نہ کریں۔ ثانیاً آپ کے انداز میں اس حد تک دل سوزی ہو کہ وہ خود محسوس کرے کہ میرے سامنے یہ بات کر کے اسے کوئی خوشی نہیں ہو رہی‘ یہ کوئی لذت نہیں لے رہا‘ کوئی اپنی بڑائی کا اظہار نہیں کر رہا اور میری عزتِ نفس کو مجروح کرنا اس کے پیشِ نظر نہیں ہے‘ بلکہ یہ فی الواقع دل سے میری اصلاح کا خواہاں اور کوشاں ہے۔ یہ دو شرطیں اگر پوری نہ ہوں تو تنقید مہلک اور مضر ثابت ہوتی ہے اور اپنی افادیت کا پہلو کھو دیتی ہے۔ اس سے آگے بڑھ کر میں ایک اور بات کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ دیکھئے تنظیم اسلامی میں یہ بات طے ہے کہ اس سے کسی رفیق کے اخراج کا معاملہ بھی ہو سکتا ہے۔ کسی شخص کا معاملہ ایسا ہو جس سے تنظیم کی بدنامی کا اندیشہ ہو جائے تو اس کا اخراج عمل میں آ سکتا ہے۔ کسی ساتھی نے اپنے اس بھائی کی اصلاح کی انفرادی سطح پر پوری کوشش کر لی‘ اس سے بارہا ملا اور تنہائی میں دل سوزی اور خلوص و اخلاص کے ساتھ گفتگو کی‘ لیکن وہ سمجھ رہا ہے کہ اصلاح کی طرف اس کا کوئی رجحان نہیں ہے اور اس چیز کی اطلاع اصحابِ امر تک پہنچا دینا جماعتی مصلحت کے لیے ضروری ہے اور اس سے مقصود اجتماعیت کو اس کے مضر اور منفی اثرات سے بچانا ہے تو عام رفیق کا کام یہ ہے کہ صاحب نظم کو اس سے مطلع کر کے خاموش ہو جائے۔ دوسرے ساتھیوں میں اس کی برائی کا چرچا کرنا اور لذت لے لے کر اس کا ذکر کرنا انتہائی مہلک شے ہے۔ یہ ہے وہ غیبت جس کے لیے قرآن کریم میں سخت ترین الفاظ آئے ہیں: ﴿اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاْکُلَ لَحْمَ اَخِیْهِ مَیْتًا فَکَرِهْتُمُوْهُ ط﴾ ''کیا تم میں سے کوئی شخص اسے پسند کرے گا کہ اپنے کسی مُردہ بھائی کا گوشت (اس کی بوٹیاں نوچ نوچ کر) کھائے؟ یہ تو تمہیں انتہائی ناپسند ہے''۔ لیکن تم غیبت کرتے ہو هَنِیْٓئًا مَّرِیْٓئًا‘ خوب لذتیں لے لے کر اور چٹخاروں کے ساتھ۔ تو جماعتی زندگی میں اس چیز کو channelize کرنا ضروری ہے۔ کسی مقامی تنظیم کا امیر اگر اپنے کسی ساتھی میں کوئی کمزوری دیکھتا ہے اور اس نے اپنے اُس ساتھی کی اصلاح کی ہر ممکن کوشش بھی کر لی ہے مگر وہ اصلاح پر مائل نہیں ہو رہا‘ تو اب اس مقامی امیر کو پہلے تو یہ judgement کرنی ہوگی کہ یہ عام کمزوری اور خامی ہے یا اس نوعیت کی ہے کہ اس سے جماعت کی نیک نامی پر حرف آ سکتا ہے۔ اگر صورت دوسری ہے تو وہ بھی اپنے سے بالاتر اصحابِ امر تک اطلاع پہنچائے اور یوں سمجھے کہ اس کی ذمہ داری ختم ہوئی۔ اب یہ معاملہ ان کے ہاتھ میں آ گیا ہے اور وہ اسے کس طور سے نمٹاتے ہیں یہ ان کی ذمہ داری ہے۔

مرض ''نجویٰ'' کے اسباب و علامات

پہلی بات تو یہ ہے جو اجمالاً آپ کے سامنے آ گئی کہ اس ہیئتِ اجتماعیہ میں اگر proper channels کا اہتمام نہیں ہوگا تو شیطان کو دلوں کے پھاڑنے اور نفرتوں اور کدورتوں کی فصلیں اگانے کا بڑا موقع ملے گا۔ لیکن یہی مسئلہ جب رفقاء کی جانب سے امراء کے ساتھ پیش آتا ہے تو اس کا نام ''نجویٰ'' بنتا ہے۔ اب یہ غیبت سے کئی گنا زیادہ قبیح شے بن جاتی ہے۔ اب تک تو میں نے سورۃ الحجرات میں وارد معاشرتی احکام اور نواہی کا اعادہ کیا ہے کہ ایک مسلمان معاشرے اور مسلمانوں کی ہیئتِ ملّی میں ان چیزوں کی کیا اہمیت ہے۔ میں عرض کر چکا ہوں کہ اقامت دین کے عظیم مقصد کے لیے قائم اجتماعیت کے لیے اس کی اہمیت سو گنا بڑھ جاتی ہے۔ چنانچہ جب غیبت کا معاملہ اصحابِ امر کے ساتھ آئے گا تو یہ چیز اس سے بھی سو گنا زیادہ قبیح اور مہلک ہو جائے گی۔ اس کا کیا سبب ہے؟ پہلے اسے سمجھ لینا چاہیے۔ دراصل امیر اور ماٴمورین کا رشتہ ایسا ہے کہ اس میں گاہے بگاہے ماٴمورین کی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کا امکان فطری طور پر موجود ہے۔ اوّل تو کسی کا حکم ماننا انسانی طبیعت بالعموم گوارا نہیں کرتی‘ پسند نہیں کرتی۔ انسان کا نفس اسے یہ پٹی پڑھاتا ہے کہ اصحابِ امر کو کون سے سرخاب کے پر لگے ہیں‘ یہ کون سے آسمان سے نازل ہوئے ہیں کہ مجھے حکم دیں‘ میں ان سے کس پہلو میں کمتر ہوں!

میں یہاں تک عرض کر رہا ہوں کہ حضورﷺ کا معاملہ ہمارے اعتبار سے تو بہت مختلف ہے اور اُس وقت جو لوگ موجود تھے ان کا معاملہ بھی ہم سے بہت مختلف تھا۔ ہمارے لیے تو حضورﷺ کی حیثیت اب ایک ادارے (institution) کی ہے‘ حضورﷺ بنفسِ نفیس‘ گوشت پوست سے بنے ہوئے انسان کی صورت میں ہمارے سامنے موجود نہیں ہیں‘ اور اللہ تو ویسے بھی ہمارے سامنے نہیں ہے‘ لہٰذا ہمارے لیے اللہ کی اطاعت اور رسول کی اطاعت‘ یہ دونوں درحقیقت ادارے ہیں۔ اس وقت ہمارے اور رسول اللہﷺ کے مابین صرف اُمتی اور رسول کی نسبت ہے‘ جبکہ اس وقت کے لوگوں کا معاملہ یہ تھا کہ ایک تو رسولﷺ ان کے سامنے گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان کی صورت میں موجود تھے‘ عام انسانوں کی طرح وہ بھی کھاتے پیتے اور چلتے پھرتے تھے۔ پھر یہ کہ حضورﷺ کے ساتھ ان کی اور بھی بہت ساری نسبتیں موجود تھیں۔ صحابۂ کرام ؓ میں سے حضرت عباس اور حضرت حمزہ (رضی اللہ عنہما) حضورﷺ کے چچا ہیں‘ لہٰذا آپؐ تو بھتیجے ہونے کے اعتبار سے ان سے چھوٹے تھے۔ صحابیات (رضی اللہ عنہن) میں وہ بھی ہیں جو حضورﷺ کی ازواجِ مطہرات ہیں۔ ان کے اور آنحضورﷺ کے مابین نسبت صرف رسول اور اُمتی کی نہیں ہے‘ شوہر اور بیوی کی بھی ہے۔ اسی طرح آپ قیاس کرتے چلے جائیں تو معلوم ہوگا کہ وہاں نسبتیں بھی بہت سی تھیں۔ اس پہلو سے اس وقت آپﷺ کی اطاعت کا معاملہ آج کی نسبت زیادہ مشکل تھا۔ اس لیے کہ اُس وقت ایک تو نگاہوں کے سامنے موجود ایک گوشت پوست کے بنے ہوئے انسان کی اطاعت مطلوب تھی اور دوسرے یہ کہ ان کے ساتھ اور بھی کافی نسبتیں تھیں جو کہ ہماری نہیں ہیں۔ ہمارے لیے حضورﷺ کی اطاعت بہت آسان ہے‘ جبکہ ان لوگوں کے لیے اس معاملے میں بڑی اضافی دقتیں اور پیچیدگیاں تھیں۔ چنانچہ انہیں یہ وسوسے پیش آ سکتے تھے کہ ان کی ہر بات ماننے کی کیا ضرورت ہے!

یہ ہم تک اللہ کا جو حکم پہنچاتے ہیں ہم اسے مان لیتے ہیں' لیکن ان کی ہر بات کیوں مانیں! اسی موقف کی تردید میں یہ آیت نازل ہوئی:

﴿فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوْا فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ وَيُسَلِّمُوْا تَسْلِيْمًا ﴿٦٥﴾﴾ (النساء)

''نہیں (اے محمد ﷺ!) آپ کے ربّ کی قسم! یہ ہرگز مؤمن نہیں ہو سکتے جب تک کہ ہر اختلافی معاملے میں جو اِن کے مابین اٹھ کھڑا ہو' آپ کو آخری حَکم تسلیم نہ کریں' اور جو فیصلہ بھی آپ کریں (نہ صرف یہ کہ اسے بے چون و چرا قبول کریں' بلکہ) اپنے دل میں بھی اس کے بارے میں کوئی تنگی محسوس نہ کریں' اور (آپ کی) فرمانبرداری قبول کرلیں جیسا کہ اس کا حق ہے''۔

اس طرزِ تخاطب میں جو زور ہے وہ اس پس منظر میں نکھر کر سامنے آتا ہے۔

کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص مشورہ دے اور اس کا مشورہ قبول نہ کیا جائے' تو اس کے دل پر اس کا ایک ردِّعمل لازماً ہوگا کہ انہوں نے میری بات کو اہمیت نہیں دی' مجھے کم تر سمجھا' کسی اور کی بات کو زیادہ اہمیت دی۔ کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی اجتماعی ضرورت کے تحت محسوس ہو کہ شاید صاحب امر کا التفات کسی اور کی طرف زیادہ ہے اور میری طرف کم ہے۔ اس سے بھی نفس کے اندر لازماً ایک ردِّعمل پیدا ہوتا ہے۔ اور ایسا لازماً ہوتا ہے' کوئی نظم اس کے بغیر نہیں چل سکتا۔ اور کبھی کسی کوتاہی پر سرزنش اور ڈانٹ ڈپٹ بھی ہوسکتی ہے۔ یہ بھی وہ چیز ہے جس سے انسان کے اندر شدید ردِّعمل پیدا ہوسکتا ہے۔ پھر یہ بھی ہوسکتا ہے کہ کوئی شخص اپنی جگہ پر صحیح ہو لیکن کسی مغالطے کی بنا پر اس کو خواہ مخواہ ڈانٹ دیا جائے۔ اس کا بھی بہرحال امکان موجود ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی ذات اس طرح کے مغالطے سے بَری ہے' کوئی اور تو اس سے بَری نہیں ہے۔ ہوسکتا ہے کہ اصحابِ امر تک کوئی غلط اطلاع پہنچی ہو' یا ان کے اپنے مشاہدے میں یا اپنی سوچ میں کوئی غلطی ہو۔ اب اس میں مزید دس گنا زیادہ امکان پیدا ہوگا کہ طبیعت میں ردِّعمل اور آزردگی (resentment) پیدا ہوجائے۔ یہ تمام چیزیں وہ ہیں کہ جن سے امیر اور مأمور کا رشتہ بہت نازک ہوجاتا ہے۔ اگر اس میل کو انسان شعوری طور پر صاف نہ کرتا رہے اور وہاں کھردری سطح برقرار رہے تو وہاں میل جمع ہوتا رہے گا۔ اور اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ آپ کی زبان سے کبھی کوئی چبھتا ہوا فقرہ نکل جائے گا' کبھی آپ کوئی استہزائیہ کلمہ کہہ دیں گے۔

پھر کبھی ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ کسی نے محسوس کیا کہ کوئی اور بھی ہے جس کے دل میں ایسے جذبات ہیں تو اب ایک انسیت محسوس ہوگی اور وہ جا کر اس سے دکھ درد بیان کرے گا کہ دیکھئے اس جماعت میں آنے کی ہماری کوئی ذاتی غرض تو نہیں ہے' فلاں صاحب ہم سے کوئی برتر نہیں ہیں کہ ہم سے اس طرح کا معاملہ ہو رہا ہے۔ اب وہ دو سے تین' پھر تین سے چار ہو جائیں گے اور رفتہ رفتہ ایک جتھے کی شکل اختیار کرلیں گے اور ان کے مابین ایک دوسرے کے لیے قرب اور دلوں کی نرمی پیدا ہو جائے گی۔ اب صورتِ حال یہ ہو گی کہ کسی اجتماع میں جہاں بیٹھے ہیں یکجا بیٹھے ہیں۔ اب امیر اگر کچھ کہہ رہا ہے تو اس پر آنکھوں آنکھوں میں باتیں کر رہے ہیں کہ دیکھا' یہ بات نکل آئی نا جو ہم سوچتے تھے' ہمارا خیال صحیح ہوا کہ نہیں! اس طرح آنکھوں آنکھوں میں تبادلۂ خیال ہوتا ہے' پھر فقرے چست کیے جاتے ہیں۔ اس کے لیے ان کی کوشش ہوتی ہے کہ اجتماع میں مل جل کر بیٹھیں' آس پاس صرف وہی لوگ ہوں جن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے ہمدردی کا احساس ہے اور کسی اور کو قریب نہ آنے دیں' تاکہ اگر کوئی فقرہ چست کیا جائے تو کوئی سن کر آگے نہ پہنچا دے۔ پھر ایسا بھی ہوتا ہے کہ تنہائی میں کھسر پھسر ہو رہی ہے۔ غیبت جو بہت لذیذ شے ہے' جب یہ امیر کے خلاف ہوگی تو بہت ہی لذیذ ہو جائے گی۔ اس میں یہ اضافی عوامل شامل ہو جائیں گے۔ جب بھی طبیعت کے اندر کسی وجہ سے منفی ردِّعمل پیدا ہوگا تو اس سے جب کھیتی لہلہائے گی تو بہت بہار دے گی۔ اب کونوں کھدروں میں' علیحدگی میں گفتگو ہو رہی ہے' آپس میں بظاہر بہت دردمندانہ مشورے ہو رہے ہیں کہ دیکھئے' تنظیم میں ہمیں تو اس کی مصلحت مطلوب ہے' یہ غلط رُخ پر چلے گئے ہیں' ان کا انداز غلط ہے' اس سے تنظیم کو نقصان پہنچ رہا ہے' ہم تو اس کی اصلاح کے لیے کوشاں ہیں' ہم تو اصل میں بھلائی کے لیے یہ سارے مشورے کر رہے ہیں' ہمیں کسی سے کوئی ذاتی نفرت اور کدورت نہیں ہے۔

اس حوالے سے وہ الفاظ ذہن میں رکھئے جو سورۃ البقرۃ کے دوسرے رکوع میں آئے ہیں: ﴿وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ﴿١١﴾﴾ ''اور جب اُن سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد نہ مچاؤ (رخنہ اندازی نہ کرو' اس نظم کو کمزور نہ کرو' اس میں فتنے نہ اٹھاؤ) تو وہ یہ کہتے ہیں کہ ہم تو اصلاح کرنے والے ہیں''۔ ہم تو اصلاح کے لیے کوشاں ہیں' ہمارے مشورے تو اصلاح اور بہتری کے لیے ہیں۔ یہ تمام کیفیات ایک complex مرض کی علامات ہیں جو بہت سے امراض کا مرکب ہے۔ اس پورے مرض کے کیا اسباب ہیں؟ میڈیکل سائنس میں کسی مرض کی etymology کے دو حصے ہوتے ہیں: اوّلاً predisposing factors جن کی وجہ سے مرض کے حملہ آور ہونے کے لیے فضا ہموار ہوتی ہے' میدان ہموار ہو جاتا ہے۔ ثانیاً exciting cause جو مرض کے اُبھرنے کے لیے کوئی فوری سبب بن جاتا ہے۔ یہ وضاحت ہو چکی ہے کہ یہ مرض کیسے وجود میں آتا ہے۔

اس انداز سے جو جتھے بندی وجود میں آتی ہے اس کا نام ''مظاہرہ'' ہے۔ یہ مظاہرہ' جسے ہم اسلامی انقلاب کے ضمن میں باطل کے خلاف اقدام کا ایک عنوان تجویز کر رہے ہیں' اگر اس اجتماعیت کے اندر ہونا شروع ہو جائے تو ع ''وہ قوم آج ڈوبے گی گر کل نہ ڈوبی'' کے مصداق وہ اجتماعیت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ گویا دیمک ہے جو اندر سے چٹ کر رہی ہے۔ اس طرح اس کی ساری اجتماعیت اور اجتماعی قوت ختم ہو جائے گی۔ تو یہ مظاہرہ کسی اجتماعیت کے اندر نہ ہو۔

''نجویٰ'' کی حقیقت وشناعت۔ قرآن حکیم کی روشنی میں

اب ان آیاتِ مبارکہ کو سمجھ لینا چاہیے جس میں یہ وضاحت ہے کہ اس پوری بیماری کی' جس کا میں نے اس وقت ذکر کیا ہے' کیا علامات ہیں' اس کا کیسے ظہور ہوتا ہے اور یہ کیسے آگے بڑھتی ہے؟ اس کے لیے ایک عنوان ہے ''نجویٰ''۔ پہلے اس لفظ کی اصل کو سمجھ لیا جائے۔ عربی زبان میں ''نَجْـوَۃٌ'' بلندی کو کہتے ہیں۔ اسی سے لفظ نجات بنا ہے جس کے معنی بچ جانے کے ہیں۔ کسی بلند مقام پر پہنچ جانا دشمن کے نرغے سے نکل کر نجات پا جانے کی ایک صورت ہے۔ اس کے لیے بہترین مثال غزوۂ اُحد کی ہے کہ جس وقت صحابہ کرام ﷺ نرغے میں آ گئے اور ستر صحابہ شہید بھی ہو گئے اُس وقت نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کو حکم دیا کہ اُحد پہاڑ پر چڑھ جاؤ! چنانچہ بلندی پر چڑھ جانا اُس وقت بچاؤ کی شکل بن گیا۔ تو بلندی پر پہنچ جانا ایک طرح سے بچاؤ' دفاع اور نجات کی ایک شکل بن جاتی ہے۔ پھر یہ کہ بلندی پر کوئی جاتا ہے تو تنہا ہوتا ہے۔ اور یہاں بلندی پر جب تنہائی ہو گی تو وہاں ایک دو جو پہنچ گئے ہیں وہ سرگوشیاں کریں گے جو دوسرے نہیں سنیں گے۔ تو علیحدگی میں خفیہ سرگوشیوں کے لیے یہ لفظ ''نجویٰ'' ہے۔ واضح رہے کہ نجات کا اصل مادہ بھی ''ن ج و'' ہے اور نجویٰ کا مادّہ بھی یہی ہے۔

نجویٰ کے ضمن میں ایک آیت سورۃ النساء میں بھی موجود ہے۔ اور میرا گمان ہے کہ سورۃ النساء پہلے اور سورۃ المجادلۃ بعد میں نازل ہوئی ہے۔ واللہ اعلم۔ سورۃ النساء میں ارشادِ باری تعالیٰ ہے: ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ (آیت ۱۱۴) ''ان کی سرگوشیوں میں سے اکثر میں کوئی خیر نہیں ہے''۔ یعنی یوں سمجھئے کہ اکثر و بیشتر سرگوشی خرابی کی جڑ بنتی ہے۔ وہی بات بہتر ہوتی ہے جو کھل کر سامنے کی جائے۔ اگر کسی کی عدم موجودگی میں اس کی برائی بیان کی جائے تو یہ غیبت ہے۔ جیسے اگر کوئی حملہ آور ہونا بھی چاہتا ہے تو بھی سامنے سے حملہ کرے' پیچھے سے حملہ کرنا تو بزدلی ہے۔ اگر سامنے سے حملہ کیا جائے گا تو وہ بھی مدافعت کر سکتا ہے۔ اگر عوام کے اندر اس کو تنقید کا نشانہ بنایا جائے تو اس کو موقع تو ہوگا کہ وہ وضاحت کر کے اپنا دفاع کر سکے کہ یہ بات یوں نہیں ہے۔ لیکن اگر یہ معاملہ پیچھے سے کیا جائے تو اب وہ مدافعت کے قابل نہیں ہے۔ لہٰذا بات تو وہی ہوتی ہے جو ڈنکے کی چوٹ پر سامنے کی جائے' اِلّا یہ کہ آپ اس طرح اس کے استہزاء کا ذریعہ بن جائیں گے تو اس کی اصلاح کا امکان کم ہو جائے گا' بلکہ اصلاح کا دروازہ بند ہو جائے گا۔ یہ مصلحت کی بات ہے۔ ہر چیز کے اندر استثناء تو ہوتا ہے' لیکن قاعدہ قانون یہی ہے کہ ﴿لَا خَيْرَ فِيْ كَثِيْرٍ مِّنْ نَّجْوٰىهُمْ﴾ ''ان کی اکثر سرگوشیوں میں خیر کا کوئی پہلو نہیں ہے''۔ البتہ اس کی کچھ مستثنیات ہیں جو اسی آیت میں بایں الفاظ بیان ہوئی ہیں:

i) ﴿اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَةٍ﴾ ''سوائے اس کے کہ کوئی (کسی کو) صدقہ کرنے کو کہے''۔ آپ نے کسی کو جا کر مشورہ دیا کہ بھائی فلاں شخص احتیاج میں ہے اور میری اس وقت ایسی حالت نہیں ہے کہ میں اس کی مدد کر سکوں' اور میں سمجھتا ہوں کہ آپ اس کی ضرورت کو پورا کر سکتے ہیں' لہٰذا اس کی ضرورت کو پورا کیجیے۔

ii) ﴿اَوْ مَعْرُوْفٍ﴾ ''یا کوئی نیک کام (کرنے کو کہے)''۔ یعنی کسی اور نیک کام کا کسی کو علیحدگی میں مشورہ دینا۔ محسوس ہو کہ اس کی ہمت کمزور پڑ رہی ہے تو اس کی ہمت بندھانا۔

iii) ﴿اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ ط﴾ ''یا لوگوں کو آپس میں صلح کا مشورہ دے''۔ یہ ''اصلاح ذات البین'' ہے کہ لوگوں کے مابین مصالحت کرانا۔ اس کے لیے یہ کرنا پڑے گا کہ آپ علیحدگی میں ایک فریق کی بات سنیں' پھر دوسرے فریق کا موقف سنیں۔ اگر وہ آمنے سامنے ہوں گے تو آپس میں الجھ پڑیں گے' فوراً مشتعل ہو جائیں گے۔ اب آپ علیحدگی میں ایک کی بات سن کر اسے سمجھائیں اور ٹھنڈا کریں۔ پھر دوسرے فریق سے جا کر بات کریں۔ اس معاملے میں یہاں تک اجازت ہے کہ فرض کریں پہلے فریق نے غیظ وغضب کی حالت میں دوسرے فریق کے لیے نازیبا الفاظ استعمال کیے تو اسے چھپا لیں' اس میں توریہ کی حد تک گنجائش ہے' بلکہ اصلاح ذات البین کے لیے اس طرح کی کوئی بات اپنی طرف سے بھی کہی جا سکتی ہے کہ تمہارے لیے اُس کے دل میں محبت ہے' یہ تو وقتی طور پر تمہارے مابین غلط فہمی ہو گئی ہے' کچھ لوگ ہیں جنہوں نے تمہارے مابین عداوت کے بیج بو دیے ہیں۔ دین میں اس کے لیے انتہائی تاکیدی تعلیم دی گئی ہے۔ اس لیے کہ اس کا مقصد بہتری پیدا کرنا ہوتا ہے۔ اور یہ صرف اہلِ ایمان کے لیے نہیں ہے' بلکہ الفاظ آئے ہیں: ﴿اَوْ اِصْلَاحٍ بَيْنَ النَّاسِ﴾ کہ لوگوں کے مابین اصلاح' عام انسانوں کے مابین مصالحت کی کوشش۔ سورۃ الحجرات میں تو الفاظ ہیں: ﴿وَاِنْ طَآئِفَتٰنِ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ اقْتَتَلُوْا فَاَصْلِحُوْا بَيْنَهُمَا ج﴾ (آیت ۹) ''اور اگر مؤمنوں کے دو گروہ باہم جھگڑا کریں تو ان کے مابین صلح کراؤ''۔ لیکن یہاں الفاظ صرف مؤمنین کے لیے نہیں ہیں' بلکہ ''اصلاح بین النّاس'' کے الفاظ ہیں۔ اس کے لیے سنن ابی داؤد' سنن ترمذی اور مسند احمد میں تاکیدی حدیث موجود ہے کہ یہ کام نماز وروزہ سے افضل ہے کہ لوگوں کے مابین مصالحت کراؤ

اور ان کے بگڑے ہوئے تعلقات کو سدھارنے اور سنوارنے کی کوشش کرو۔ تو ان تین کاموں کے لیے علیحدگی میں جا کر سرگوشی کرنا خیر کے لیے ہے۔ اس کے علاوہ اگر کسی کام کے لیے سرگوشی ہوگی تو اس میں خیر نہیں ہے' چاہے آدمی خود کو کتنا ہی دھوکہ دے کہ میں یہ کام نیک نیتی سے کر رہا ہوں' بھلائی کے لیے کر رہا ہوں' لیکن حقیقتاً وہ خیر سے خالی ہوگا۔ آگے فرمایا: ﴿وَمَنْ یَّفْعَلْ ذٰلِکَ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰہِ فَسَوْفَ نُؤْتِیْہِ اَجْرًا عَظِیْمًا ﴿۱۱۴﴾﴾ ''اور جو شخص یہ کام اللہ کی رضا جوئی کے لیے کرے گا تو ہم اسے عنقریب اجرِ عظیم سے نوازیں گے''۔

اب آیئے اس پس منظر میں سورۃ المجادلۃ کی آیات پر غور کر لیا جائے۔ فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ ط﴾ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اللہ جانتا ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے؟'' یہ درحقیقت جانی پہچانی اور تمہاری مانی ہوئی حقیقت ہے جس سے تمہیں اس وقت ذہول ہو رہا ہے' اِس وقت تم اس کو بھلا رہے ہو۔ یہ تمہید ہے کہ کس سے چھپ کر کانا پھوسی کر رہے ہو؟ ایک کان تو ہمیشہ ہر جگہ سننے والا موجود ہے۔ یہ نہ سمجھو کہ تمہاری ان باتوں کو سننے والا کوئی نہیں ہے۔ اللہ تو سن رہا ہے۔

﴿مَا یَکُوْنُ مِنْ نَّجْوٰی ثَلٰثَۃٍ اِلَّا ھُوَ رَابِعُھُمْ﴾ ''نہیں ہوتا (ان میں سے) کسی بھی تین افراد کا باہم سرگوشی کرنا مگر یہ کہ اللہ اُن کا چوتھا ہوتا ہے'' ﴿وَلَا خَمْسَۃٍ اِلَّا ھُوَ سَادِسُھُمْ﴾ ''اور نہ پانچ کا (نجویٰ ہوتا ہے) مگر یہ کہ اللہ اُن کا چھٹا ہوتا ہے'' ﴿وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ﴾ ''اور نہ اس سے کم''۔ دو بھی باہم سرگوشیاں کر رہے ہیں تو بھی تیسرا اللہ موجود ہے۔ دو سے کم تو نہیں ہو سکتے' کیونکہ ایک آدمی تو بیٹھ کر سوچ ہی سکتا ہے۔ ﴿وَلَآ اَکْثَرَ﴾ ''نہ اس سے زائد'' ﴿اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اَیْنَ مَا کَانُوْا ج﴾ ''مگر یہ کہ اللہ ان کے ساتھ ہے جہاں کہیں بھی وہ ہوتے ہیں''۔ وہ چاہے پہاڑ کی چوٹی پر پہنچ گئے ہوں' یا کھوہ میں چھپ کر مشورے کر رہے ہوں' یا کہیں زمین کے پیٹ میں گھس کر یا فضا کی پہنائیوں میں کر رہے ہوں' خواہ کہیں بھی ہوں گے اللہ ان کے ساتھ ہے۔ ﴿ثُمَّ یُنَبِّئُھُمْ بِمَا عَمِلُوْا یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ ط﴾ ''پھر اللہ انہیں قیامت کے دن جتلا دے گا جو وہ کرتے رہے ہوں گے''۔ ﴿اِنَّ اللّٰہَ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ ﴿۷﴾﴾ ''یقیناً اللہ تعالیٰ ہر چیز کا جاننے والا ہے''۔ یہاں نَبَّاَ' یُنَبِّئُ کا لفظ ہے۔ اس کے علاوہ نَبَّہَ یُنَبِّہُ کا لفظ آتا ہے جو تنبیہہ کے لیے استعمال ہوتا ہے کہ متنبہ کرنا۔ جبکہ یہ ''نبأ'' سے ہے جس کا مطلب ہے ایک ایک کر کے جتلا دینا کہ تم نے فلاں تاریخ' فلاں وقت یہ مشورے کیے' یہ ہے تمہارا نجویٰ۔

آگے فرمایا: ﴿اَلَمْ تَرَ اِلَی الَّذِیْنَ نُھُوْا عَنِ النَّجْوٰی ثُمَّ یَعُوْدُوْنَ لِمَا نُھُوْا عَنْہُ﴾ (۱) ''کیا تم نے اُن لوگوں کی طرف نہیں دیکھا جنہیں نجویٰ سے روکا گیا تھا؟ پھر بھی وہ وہی حرکت کیے جاتے ہیں جس سے انہیں منع کیا گیا تھا''۔

(۱) اس آیت سے بھی میرا گمان ہے کہ سورۃ النساء' سورۃ المجادلہ سے پہلے نازل ہوئی ہے' کیونکہ اس مقام کے علاوہ قرآن مجید میں نجویٰ کے بارے میں صرف سورۃ النساء کی ایک آیت ہے۔ تو محسوس ہوتا ہے کہ یہاں اُس آیت کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔

دیکھئے وہ روکنے کا بہترین اور لطیف ترین انداز تھا۔ اس میں ڈانٹ ڈپٹ' سختی اور گرفت کا انداز نہیں تھا' بالکل ایسے جیسے کوئی کائناتی حقیقت بیان کی جا رہی ہو کہ: ﴿لَا خَیْرَ فِیْ کَثِیْرٍ مِّنْ نَّجْوٰھُمْ اِلَّا مَنْ اَمَرَ بِصَدَقَۃٍ اَوْ مَعْرُوْفٍ اَوْ اِصْلَاحٍ بَیْنَ النَّاسِ ط﴾ یعنی جان لو اِن تین کاموں کے سوا جو کچھ ہے اس میں خیر نہیں ہے۔ لیکن ظاہر ہے جن کے دلوں میں اصلاح پذیری کا مادہ تھا وہ اگر غیر شعوری طور پر یہ کام کر رہے تھے تو اب شعوری طور پر رُک گئے' ٹھٹک گئے' انہوں نے اپنی باگیں کھینچ لیں۔ لیکن جن لوگوں کے دلوں میں روگ یا مرض ہوتا ہے تو ﴿فِیْ قُلُوْبِھِمْ مَّرَضٌ فَزَادَھُمُ اللّٰہُ مَرَضًا﴾ کے مصداق اُن کا روگ تو مسلسل بڑھتا ہے۔ اب یہاں اُن کی طرف اشارہ ہو رہا ہے۔ یہ اُس معاشرے میں وہ لوگ تھے جنہیں آج ہم منافقین کہتے ہیں۔ لیکن ان کی پیشانیوں پر لکھا ہوا نہیں تھا کہ یہ منافق ہیں' بلکہ وہ مسلمان ہی سمجھے جاتے تھے۔ حضور ﷺ کے علم میں تھا کہ کون منافقین ہیں' لیکن حضور ﷺ نے اسے ایک راز ہی رکھا ہے۔ اپنے ایک صحابی ؓ کو اگر چند خاص منافقین کا نام بتا بھی دیا تھا تو انہیں بھی آگے بیان کرنے سے سختی سے روک دیا تھا کہ یہ ایک راز ہے۔ لہٰذا وہ مسلمانوں میں گڈمڈ تھے۔ اس اعتبار سے یہ نہ سمجھئے کہ اس کا ہم سے کوئی سروکار نہیں ہے۔ اصل میں تو قرآن مجید میں جو بھی منافقین کا بیان ہے ہم اس سے اس وجہ سے محروم رہتے ہیں کہ ہم انہیں ایک علیحدہ category قرار دے کر سمجھتے ہیں کہ ہم سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ تو یہ سمجھئے کہ یہ درحقیقت ہمیشہ مسلمانوں میں گڈمڈ ہوتے ہیں۔ یہ بہتر سے بہتر جماعت میں موجود تھے۔ صحابہ کرام ؓ کی جماعت سے تو بہتر جماعت نہیں ہو سکتی' اس میں یہ ففتھ کالمسٹ عنصر موجود تھا۔ غور کیجیے کہ تا بہ دیگراں چہ رسد؟ کون سی جماعت یہ سمجھ سکتی ہے کہ ہم اس سے بالاتر ہیں' منزّہ اور پاک ہیں!

﴿وَیَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ز﴾ ''اور یہ لوگ چھپ چھپ کر آپس میں گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں کرتے ہیں''۔ یعنی مندرجہ بالا تین چیزوں کے مقابلے میں یہ جو نجویٰ کرتے ہیں' سرگوشیاں اور کھسر پھسر کرتے ہیں' وہ ایک تو گناہ کے لیے ہوتا ہے۔ لفظ ''اِثْم'' کا ترجمہ ہم ''گناہ'' کرتے ہیں اور ''عُدوان'' کا ترجمہ ''زیادتی''۔ اصل میں گناہ کے دو پہلو ہوتے ہیں۔ ایک ہے کوتاہی' یعنی آپ اپنا فرض ادا نہیں کر رہے۔ اور دوسرا ہے زیادتی' کہ کسی کے حق پر دست

درازی کرنا' حملہ آور ہونا۔ یہ دو پہلو علیحدہ ہیں۔ لہٰذا اگر آپ ایمان کا تقاضا پورا نہیں کر رہے تو یہ 'اِثْم' ہے۔ اہل عرب اس اونٹنی کو 'آثِمَۃٌ' کہتے ہیں جو قافلے سے پیچھے رہ گئی ہو۔ اگر کوئی اونٹنی قافلے میں موجود تمام اونٹوں اور اونٹنیوں کے ساتھ ساتھ چلے گی تب ہی وہ قافلہ بنے گی' ورنہ تو وہ قافلے سے پیچھے رہ جائے گی اور اب وہ 'آثمۃ' کہلائے گی۔

اب یوں سمجھئے کہ جن فرائض کی ادائیگی کے لیے کوئی اجتماعی نظام قائم ہوا ہے' جو لوگ ان فرائض کو حسن وخوبی ادا کر رہے ہوں وہ تو گویا قافلے کے ساتھ چل رہے ہیں' جبکہ کچھ ایسے ہوتے ہیں جو پیچھے ہوتے ہیں اور اپنے ان تقاضوں کو پورا نہیں کر پا رہے ہوتے۔ تو یہ 'اِثْم' ہے۔ ایسے آدمی کی عزتِ نفس اسے ابھارتی ہے کہ دیکھو ایسا دُم کٹا کوئی اور بھی ہے یا نہیں! تو جن کے اندر کسل ہوتا ہے ان کے مابین یگانگت (affinity) پیدا ہو جاتی ہے اور وہ پیچھے رہ جانے والے خود بخود ایک دوسرے کی طرف ایک میلان محسوس کرنے لگتے ہیں اور ایک دوسرے کے لیے جواز فراہم کرتے ہیں۔ تو اس کا پہلا عنوان ہے ﴿یَتَنٰجَوْنَ بِالْاِثْمِ﴾۔ 'اثم' کے معنی روکنے کے بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ایک دوسرے کی خیر خواہی کے انداز میں کہتے ہیں کہ بے وقوف نہ بنو' یہ تو پاگل ہیں' لیکن ہمیں تو دیکھ کر چلنا ہے اور انہیں بھی سمجھانا ہے۔ جیسے اُس دَور کے منافقین کہا کرتے تھے: ﴿اَنُؤْمِنُ کَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ط﴾ (البقرۃ:۱۳) ''کیا ہم ایمان لے آئیں ان بے وقوفوں کی طرح؟'' انہیں تو کسی خیر وشر اور نفع ونقصان کی فکر نہیں ہے۔ یہ تو دیوانے (fanatics) ہو گئے ہیں۔ تو اب اس طرح کی گفتگو ہوگی۔ ﴿وَالْعُدْوَانِ﴾ ''اور زیادتی کے لیے (سرگوشیاں کرتے ہیں)''۔ یہ دوسرا رُخ ہے کہ کسی کی عزت پر حملہ کرنا' کسی کے حقوق پر دست درازی۔

﴿وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ ز﴾ ''اور رسولؐ کی نافرمانی کے لیے (سرگوشیاں کرتے ہیں)''۔ یہاں رسول کی حیثیت ذہن میں رکھئے! رسول کی ایک حیثیت یہ ہے کہ وہ اللہ کا پیغام پہنچانے والے ہیں۔ رسول کی ایک حیثیت اس جماعت کے امیر کی بھی ہے اور رسول کی ایک حیثیت اس ریاست کے سربراہ کی بھی ہے۔ یہ ایسا معاملہ ہے جو زیادہ کٹھن گزرتا ہے۔ میرے نزدیک نفاق کے موضوع پر سورۃ النساء قرآن مجید میں اصولی طور پر اہم ترین سورت ہے۔ اب جو چیزیں نفاق کا اصل سبب بنتی تھیں ان میں سے ایک اہم چیز ''رسول کی اطاعت'' تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ رسول بھی تو آخر ہمارے جیسے انسان ہیں۔ بس ان پر وحی اترتی ہے جسے ہم تسلیم کرتے ہیں۔ باقی تو یہ ہمارے جیسے انسان ہیں' ہم کیسے ان کے آگے سر جھکائیں! کیا ان سے خطا نہیں ہو سکتی؟ کیا ہماری بات بہتر نہیں ہو سکتی؟ ہمیں تجربہ حاصل ہے' ہم جانتے ہیں' ہم معاملات کو چلاتے رہے ہیں۔ انہیں تو کوئی تجربہ نہیں ہے۔ یہ ساری باتیں رسول اللہ ﷺ کے بارے میں کہی جاتی تھیں۔ یہ ہے معصیت رسول' رسول کے حکم سے سرتابی۔ منافقین کی علامتیں اور ان کے مشاغل قرآن مجید میں کئی جگہ مذکور ہیں۔ انہیں حضور ﷺ سے جو کد ہو گئی تھی اس کا ظہور مختلف طریقوں سے ہوتا تھا۔

آگے فرمایا: ﴿وَاِذَا جَآءُوْکَ حَیَّوْکَ بِمَا لَمْ یُحَیِّکَ بِهِ اللّٰهُ﴾ ''اور جب یہ آپؐ کی خدمت میں آتے ہیں تو آپ کو وہ دعا دیتے ہیں جو اللہ نے آپ کو نہیں دی''۔ عربوں کا ایک عام دعائیہ کلمہ ''حَیَّاکَ اللّٰهُ'' ہے جس کے معنی ہیں ''اللہ تمہاری عمر دراز کرے''۔ یہیں سے لفظ ''تَحِیَّۃ'' بنا ہے جو اپنے نیک جذبات کا اظہار ہے۔ اسے آپ greetings کہتے ہیں۔ اصل سلام تو ''السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ'' ہے' لیکن منافقین ''السَّام علیکم'' کہتے تھے' جس کے معنی ہیں ''تم پر موت آئے''۔ (معاذ اللہ۔ نقل کفر کفر نباشد!) اگر کوئی پکڑ لیتا تو کہنے لگتے کہ ہم نے تو السلام علیکم کہا ہے' شاید آپ کو ٹھیک سنائی نہیں دیا' ذرا اپنے کان کی میل نکلوائیے اور اس میں تیل ڈلوائیے! الٹا اسے شرمندہ کر دیتے۔

﴿وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ط﴾ ''اور وہ اپنے جی میں کہتے اللہ ہمیں سزا کیوں نہیں دیتا اُس پر جو ہم کہتے ہیں''۔ اسی طرح سورۃ البقرۃ میں مثال آئی ہے کہ ''رَاعِنَا'' کے بجائے ''رَاعِیْنَا'' کہتے' یعنی ''اے ہمارے چرواہے!'' ''رَاعِنَا'' ایک مجلسی کلمہ تھا کہ ہماری طرف ذرا متوجہ ہوں' ہمارا لحاظ کیجیے' ہم بات سمجھ نہیں سکے۔ جیسے ''pardon'' کا لفظ عام طور پر بولا جاتا ہے کہ معاف کیجیے گا۔ لیکن وہ ''رَاعِینا'' کہہ کر اپنے دل کی بھڑاس نکال لیتے تھے۔ اور شیطان کا وسوسہ دیکھئے: ﴿وَیَقُوْلُوْنَ فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ لَوْلَا یُعَذِّبُنَا اللّٰهُ بِمَا نَقُوْلُ ط﴾ ''اور اپنے دلوں میں کہتے ہیں کہ ہماری ان باتوں پر اللہ ہمیں عذاب کیوں نہیں دیتا؟'' یعنی شیطان اب اور پٹی پڑھا رہا ہے کہ دیکھو' تم نے رسول (ﷺ) سے گستاخی کی۔ اگر یہ رسول ہوتے تو اللہ تمہاری زبان گدی سے کھینچ لیتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تمہارا شک وشبہ صحیح ہے۔ یہ ہے وہ برائی کا چکر (wicious circle) یعنی ایک برائی دوسری برائی کو جنم دیتی ہے اور دوسری پہلی برائی کو مزید تقویت دیتی ہے کہ دیکھو بھائی میں نے تو اُس وقت اتنا کلام کر دیا' اب اگر فی الواقع یہ رسول ہوتے تو کیا اللہ اس کو گوارا کرتا! کیوں نہیں اللہ اس پر ہمیں عذاب دیتا جو ہم کہہ رہے ہیں! اس کا مطلب صاف ہے کہ یہ رسول نہیں ہیں اور ہمارا شبہ صحیح ہے۔ فرمایا: ﴿حَسْبُهُمْ جَهَنَّمُ ج یَصْلَوْنَهَا ج﴾ ''ان کا ٹھکانہ جہنم ہے جس میں یہ پہنچ کر رہیں گے (جھونکے جائیں گے)'' ﴿فَبِئْسَ الْمَصِیْرُ ﴿۸﴾﴾ ''اور وہ بہت برا ٹھکانہ ہے''۔

﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم آپس میں پوشیدہ بات کرو تو گناہ اور زیادتی اور رسول کی نافرمانی کی باتیں نہ کرو''۔ یعنی اگر تمہیں نجویٰ کرنا ہی ہے' تنہائی میں گفتگو کرنی ہی ہے' کوئی مل بیٹھنے کا موقع آ ہی گیا ہے تو ان تین چیزوں سے بچو: (i) اثم' (ii) عدوان' (iii) معصیت رسول۔ ﴿وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَالتَّقْوٰی ط﴾ ''اور باہم تنہائی میں نیکی اور تقویٰ کی باتیں کرو''۔ اگر نجویٰ کرنا ہی ہے تو نیکی اور تقویٰ کے لیے کرو' خیر اور بھلائی کے لیے

کرو‘ ایک دوسرے کو نیکی پر آمادہ کرو‘ ایک دوسرے کی طبیعت میں کوئی رکاوٹ پیدا ہو رہی ہے تو اس کو دور کرو‘ دوسرے کی ہمت اگر پست ہو رہی ہے تو اسے ہمت دلاؤ۔ لیکن اثم‘ عدوان اور معصیت رسول سے بچو۔ ﴿وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ ۝۹﴾ ”اور تقویٰ اختیار کرو اس اللہ کا جس کی طرف تم جمع کیے جاؤ گے“۔

﴿اِنَّمَا النَّجْوٰی مِنَ الشَّیْطٰنِ﴾ ”جان لو کہ کانا پھوسی تو ایک شیطانی کام ہے“۔ آج میں نے وہیں سے بات شروع کی ہے کہ جو اجتماعیت دین کا بول بالا کرنے کے لیے وجود میں آئی ہے تو شیطان کو سب سے بڑھ کر تکلیف لازماً اسی سے ہوگی‘ چنانچہ وہ اپنی توجہات سب سے زیادہ اسی پر مرکوز کرے گا۔ ﴿لِیَحْزُنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا﴾ ”(اور یہ اس لیے کیا جاتا ہے) تاکہ اہل ایمان کو غم ہو“ اندوہ ہو‘ رنج وصدمہ ہو‘ ان کی یکسوئی اور یک جہتی مجروح ہو‘ ان کے دلوں میں خلجان پیدا ہو جائے۔ یہ ہے جس کے لیے شیطان نجویٰ کا جال بچھاتا ہے اور اس کے اندر اس نے بڑی خوش نمائی پیدا کر دی ہے۔ ﴿وَلَیْسَ بِضَآرِّهِمْ شَیْـًٔا اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ﴾ ”حالانکہ اذنِ خدا کے بغیر وہ (نجویٰ) انہیں کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا“۔ اب یہ اہل ایمان کو اطمینان دلانے کے لیے فرمایا جا رہا ہے کہ مطمئن رہو‘ تمہیں اللہ کے اذن کے بغیر کوئی کچھ بھی ضرر نہیں پہنچا سکتا۔ جیسے ہم کہتے ہیں: لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ شیطان کو ہرگز کوئی اختیار حاصل نہیں ہے‘ اگر اس کا کوئی وار کارگر ہوتا بھی ہے تو وہ بھی اذنِ ربّ سے ہوتا ہے‘ اس میں بھی اللہ کی طرف سے کوئی خیر ہوتا ہے‘ کوئی تمہاری تربیت یا اصلاح مقصود ہوتی ہے‘ اللہ اسے تمہاری اصلاح کا بہانہ بناتا ہے۔ ﴿وَعَلَی اللّٰهِ فَلْیَتَوَكَّلِ الْمُؤْمِنُوْنَ ۝۱۰﴾ ”اور اہل ایمان کو تو اللہ پر اپنا پورا توکل اور بھروسہ کرنا چاہیے“۔ اطمینان دلایا جا رہا ہے کہ اس میں زیادہ پریشان ہونے کی بات نہیں ہے۔ حتی الامکان سدّ باب کرو‘ لیکن جس شخص کا معاملہ اللہ کے ساتھ صاف ہے اسے ان چیزوں سے زیادہ دل گیر اور دل گرفتہ نہیں ہونا چاہیے۔ البتہ ان تمام مفاسد سے اس ہیئت اجتماعیہ کو پاک کرنے کی کوشش کرنا بالکل دوسری بات ہے۔

چونکہ میں نے پس منظر بیان کر دیا ہے اس لیے آپ کو یہ بات سمجھنے میں کافی سہولت ہو جائے گی۔ فرمایا: ﴿یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا قِیْلَ لَكُمْ تَفَسَّحُوْا فِی الْمَجٰلِسِ فَافْسَحُوْا یَفْسَحِ اللّٰهُ لَكُمْ ۚ﴾ ”اے اہل ایمان! جب تم سے کہا جائے کہ مجالس میں کشادگی پیدا کرو تو کھل کر بیٹھا کرو‘ اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کرے گا“۔ بڑا پیارا ربط ہے۔ یہ ایک فطری بات ہے کہ جو تین چار آدمی علیحدگی میں آپس میں ملاقاتیں کرتے ہیں اور باہم سرگوشیاں کرتے ہیں وہ جب کسی اجتماع میں آئیں گے تو بھی اکٹھے بیٹھیں گے اور علیحدگی میں کھسر پھسر اور سرگوشیاں کریں گے‘ کن انکھیوں میں تبادلۂ خیال کریں گے جو بہت خطرناک ہے۔ تب ہی تو کہا جا رہا ہے کہ جب تم سے کھل کر بیٹھنے کو کہا جائے تو کھل کر بیٹھ جایا کرو‘ اللہ تمہارے لیے کشادگی پیدا کرے گا۔ یوں سمجھئے اس نجویٰ کا ظہور اب مسلمانوں کے اجتماعات کے اندر ہونے لگا تھا جس کے لیے کہا جاتا تھا کہ کھل کر بیٹھو‘ تاکہ آپ کے مابین جگہ ہو اور کوئی اور آنے والا بیٹھ سکے۔ منافقین اس طریقے سے جتھہ بندی کرتے تھے کہ ان کے مابین کوئی تیسرا آدمی نہ بیٹھ جائے‘ کیونکہ اگر ان میں کوئی باہر کا آدمی شامل ہو گیا تو وہ ان کی رپورٹ کرے گا اور یوں ان کی باتیں دوسروں کے علم میں آ جائیں گی۔ لہٰذا کہا جا رہا ہے کہ اس طرح اللہ تعالیٰ تمہارے لیے کشادگی پیدا کرے گا اور تنگیوں سے جو فساد پیدا ہو رہا ہے اس کی روک تھام کی جا سکے گی۔

﴿وَاِذَا قِیْلَ انْشُزُوْا فَانْشُزُوْا﴾ ”اور جب کہا جائے کہ اُٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو“۔ یہ اب ان کے نجویٰ کی تیسری شکل ہوتی ہے۔ اجتماع اختتام پذیر ہو جائے اور کہہ دیا جائے کہ اب آپ تشریف لے جایئے تو ان لوگوں کا نجویٰ فوراً وہیں شروع ہو جاتا ہے۔ کچھ دیر اطمینان سے بیٹھے رہتے ہیں‘ تاکہ دورانِ اجتماع اگر کوئی تبصرے نہیں ہو سکے تو تبادلۂ خیال کر لیں اور ایک دوسرے کو فقرے بازیوں پر داد دے لیں۔ لہٰذا وہ وہاں سے فوراً روانہ نہیں ہوتے۔ اس لیے اہل ایمان سے کہا جا رہا ہے کہ اگر تمہیں کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو۔

﴿یَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ ۙ وَالَّذِیْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ ؕ﴾ ”تم میں سے جو لوگ واقعی اہل ایمان ہیں اور جن کو علم عطا کیا گیا ہے‘ اللہ ان کے درجات بلند کرے گا“۔ غور کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہاں پر صنعتِ لفظی کا ایک خوبصورت انداز ہے۔ یہ بھی کلام کا ایک حسن ہے۔ کہا جا رہا ہے کہ اے اہل ایمان! جب تم سے کہا جائے کہ اٹھ جاؤ تو اٹھ جایا کرو‘ اللہ تمہیں اونچا کرے گا۔ اگر تم خلوص واخلاص کے ساتھ احکام مانو گے تو اللہ تمہیں رفعت عطا فرمائے گا۔

اس ضمن میں بعض حضرات نے بڑی عمدہ بات کہی ہے۔ بعض اوقات کسی اجتماع میں یہ صورت پیش آتی ہے کہ دو حضرات آپس میں سرگوشی کر رہے ہیں‘ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آپ یہاں سے اُٹھ کر وہاں بیٹھئے تو اس میں آدمی اُس وقت اپنی توہین محسوس کرتا ہے‘ حالانکہ سوچنا چاہیے کہ کوئی شخص ہے جو اِس اجتماع کو conduct کر رہا ہے اور اس کی نگاہ میں یہ بات آ گئی ہے‘ لہٰذا وہ اس اجتماع کی تاثیر کو ختم کرنے والی شے کو رفع کرنا چاہتا ہے تو اس میں انسان اپنی توہین محسوس نہ کرے۔ اس لیے کہ جو صاحبِ امر اور ذمہ دار ہے اسے اس کا نظم چلانا ہے‘ اسے اس اجتماع کو بہتر سے بہتر نتیجے تک منتج کرنا ہے‘ نتیجہ خیز اور بار آور بنانا ہے‘ لہٰذا اگر کہہ دیا جائے کہ اٹھ جایئے یا یہ کہ فلاں جگہ پر تشریف لے جایئے تو اس پر برا نہیں ماننا چاہیے۔ بہرحال جو صاحب علم ہوگا اور جس کے دل میں ایمان کی رمق ہوگی وہ اسے خیر سمجھے گا اور اس ہدایت پر عمل اپنی توہین نہیں سمجھے گا‘ تو اللہ اس کے درجات بلند کرے گا‘ لیکن جس کے دل میں روگ ہو وہ اسے برا مانے گا کہ اسے نمایاں کر کے سب کے سامنے ذلیل کر دیا گیا ہے‘ جبکہ یہ کام اس کے بجائے کوئی دوسرا کر

رہا تھا اور دوسرے کا وبال اس پر آ گیا ہے۔ حالانکہ اسے سوچنا چاہیے کہ اگر وہ اس غلطی کا ارتکاب نہیں کر رہا تھا اور غلطی سے اسے اٹھ جانے کو کہہ دیا گیا ہے تو کون سی قیامت آ گئی ہے! اگر اس کام کی اہمیت کو سامنے رکھتے ہوئے مثبت انداز میں سوچا جائے پھر تو یہی نتیجہ نکلے گا کہ ٹھیک ہے وہ صاحبِ نظم ہے' اس سے غلطی ہو بھی گئی ہے تب بھی کسی کی کوئی توہین نہیں ہے۔ اس سلسلے میں زیادہ حساسیت انہی لوگوں کو ہوتی ہے جن کے دل میں کچھ کبر اور فساد ہوتا ہے۔ جیسے کہا گیا ہے: ﴿فِیْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا﴾ ورنہ انسان سوچے گا کہ اگر میرا قصور نہیں بھی تھا' بلکہ کچھ زیادتی ہوگئی ہے تو اللہ تعالیٰ مجھے اس کا کوئی نہ کوئی اجر عطا فرمائے گا' تلافی (compensate) کرے گا' اگر صاحب امر نے زیادتی کی ہے تو اس کی کوئی نیکی مجھے مل جائے گی' لہٰذا مجھے تو کوئی نقصان نہیں ہے' میرے لیے تو بس حصول ہی حصول ہے۔ یہ تب ہوتا ہے جب ایمان اور خلوص و اخلاص ہو' اور اس اجتماعیت سے مخلصانہ تعلق ہو۔ ﴿وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے''۔

اس میں ایک اور بات قابل توجہ ہے کہ جو شخص کسی اجتماعی جدوجہد میں شریک نہیں ہے تو قرآن مجید کی یہ باتیں اسے کس طرح سمجھ میں آئیں گی! ان کا محض ترجمہ تو کیا جا سکتا ہے مگر ان کی اہمیت وعظمت اسی صورت میں سمجھ آ سکتی ہے جب کسی اجتماعیت میں شریک ہوا جائے' ورنہ تو لوگ سمجھیں گے کہ ٹھیک ہے یہ اللہ کا کلام ہے اور ہم نے اسے پڑھ کر ثواب حاصل کر لیا ہے۔ لیکن یہ کہ ان باتوں میں کیا حکمتیں ہیں اور ان میں ہمارے لیے کیا ہدایات مضمر ہیں' یہ حقیقت اسی وقت ابھر کر اور نکھر کر سامنے آئے گی جب مقصد زندگی اقامت دین معین ہو چکا ہو' جس کے بارے میں ارشاد ہے:

﴿لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾ (الحدید:۲۵)

''تاکہ لوگ انصاف پر قائم رہیں' اور ہم نے لوہا اتارا جس میں لڑائی کی سخت قوت ہے اور لوگوں کے لیے دوسرے فوائد بھی ہیں' اور (اس لیے بھی) تاکہ اللہ تعالیٰ ظاہر کر دے اس کو جو مدد کرتا ہے اللہ کی اور اس کے رسول کی غیب میں رہتے ہوئے۔''

اقامتِ دین کے لیے جو اجتماعیت قائم ہوئی ہے اس کی مصلحتیں اور اس کا تحفظ اللہ کی نگاہ میں کتنا عزیز ہے' یہ وہ بات ہے جو سمجھ میں آئے گی تو ہی اس کی اہمیت وعظمت منکشف ہوگی۔

ایک اور مسئلہ بھی ہے جو اجتماعی زندگی کا بڑا اہم مسئلہ ہے' ہر صاحبِ امر کو اِس سے سابقہ پیش آتا ہے۔ اس کا پس منظر یہ ہے کہ اوّل تو ہر شخص فطری طور پر یہ چاہتا ہے کہ اسے صاحب امر سے قرب ہو' اس سے تنہائی میں بات کرنے کا موقع ملے' یہ فطری اور اچھی بات ہے' اس میں کوئی برائی نہیں ہے۔ لیکن اس کا ایک منفی رُخ بھی ہے' کہ کچھ لوگ کام میں تو پیچھے ہوتے ہیں' لیکن اپنی دولت یا وجاہت دُنیوی کی وجہ سے کچھ نمایاں ہوتے ہیں اور وہ اپنی اس دُنیوی اہمیت کو ظاہر کرنے کے لیے صاحبِ امر کے قریب ہو کر بیٹھتے ہیں اور کان میں گفتگو کرتے ہیں' تاکہ سب کو معلوم ہو جائے کہ وہ ان سے بہت قریب ہیں' امیر ان کی بڑی رعایت کرتے ہیں اور بڑا لحاظ کرتے ہیں۔ وہ اس کے لیے اپنی حیثیت کو ذریعہ بناتے ہیں۔ سوچیے کہ امیر کے پاس تو وقت محدود ہے اور اجتماعیت کے حقوق بھی اس پر ہیں' تو جب اس کے وقت میں اس طرح سے دخل اندازی ہوتی ہے تو اس کا اجتماعیت کو نقصان پہنچتا ہے۔ اس بات کی قباحت کو تین درجات میں سمجھ لیجیے۔ یہ فطری خواہش ہوتی ہے اور یہ کوئی بری بات نہیں ہے' لیکن مفسدین اسی چیز سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنے مقام ومرتبہ کو ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ عبداللہ بن اُبی خاص طور پر ایسا کرتا تھا۔ ویسے بھی وہ قبیلۂ خزرج کا سردار تھا' رسول اللہ ﷺ کی مدینہ تشریف آوری سے قبل اس کی بادشاہت کا فیصلہ ہو چکا تھا۔ جب حضور ﷺ کو خطبہ ارشاد فرمانا ہوتا تو پہلے وہ کھڑا ہوتا تھا اور لوگوں سے کہتا کہ یہ اللہ کے رسول ہیں' ان کی بات پوری توجہ سے سنیے۔ اصل مقصد اپنی حیثیت اور سرداری کو نمایاں کرنا ہوتا تھا۔ اگر کوئی شخص امیر سے کہتا ہے کہ مجھے آپ سے تخلیے میں گفتگو کرنی ہے تو لوگوں کے سامنے آئے گا کہ یہ امیر سے بہت قریب ہیں اور ان کی رائے کو بہت اہمیت دی جاتی ہے' تبھی تو جب دیکھو یہ علیحدگی میں بات کرنے کے لیے وقت مانگ رہے ہوتے ہیں اور انہیں وقت دیا جاتا ہے۔

اس کا دوسرا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جو وقت اجتماعی مصالح اور بہبود پر صرف ہونا ہو وہ اس طریقے سے ضائع ہو جاتا ہے۔ آخر انسان کی صلاحیت اور قوتِ کار محدود ہوتی ہے۔ حضور ﷺ کا معاملہ یہ تھا کہ آپؐ شرافت اور مروّت کا پیکرِ مجسم تھے' سب کچھ معلوم ہوتے ہوئے بھی آپ زبان سے کچھ نہیں کہتے تھے۔ جیسے سورۃ الاحزاب میں آیا ہے کہ حضور ﷺ اہل ایمان کو کھانے کی دعوت دیتے تو کچھ لوگ بہت پہلے پہنچ جاتے' اب دھرنا مار کر بیٹھے ہوئے ہیں' جبکہ ابھی کھانا پکنے کی تیاری ہو رہی ہے۔ پھر کھانا کھانے کے بعد بھی بیٹھے رہتے تھے۔ اس میں دونوں طرح کی باتیں ہو سکتی ہیں۔ اس میں مخلصین کے لیے تو یہ پہلو تھا کہ حضور ﷺ سے قرب کا موقع مل جاتا۔ اور جو حضور ﷺ کو تنگ کرنے والے تھے وہ اس کے ذریعے سے حضور ﷺ کو تنگ کرتے تھے' آپؐ کی privacy میں مخل ہوتے تھے اور جانے کا نام نہیں لیتے تھے۔ لہٰذا فرمایا گیا کہ نہ پہلے آ جایا کرو اور نہ بعد میں بیٹھے رہا کرو۔ ﴿مُسْتَاْنِسِيْنَ لِحَدِيْثٍ﴾ کے الفاظ ہیں کہ کھانے کے بعد باتوں میں نہ مشغول ہو جایا کرو۔ یہ چیز نبی اکرم ﷺ کو تکلیف دیتی ہے' لیکن وہ چونکہ حیا کا پیکر ہیں اس لیے وہ تم سے کچھ نہیں کہہ سکتے۔ یہ ذکر قرآن میں ہے۔ اسی طرح اس معاملے میں کوئی تخلیے میں بات کرنے کے لیے وقت مانگ رہا ہے' تو اب وہ کس کس

کو وقت دیں! جبکہ وہ انکار کسی کو نہیں کر رہے۔ اس کا تیسرا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اگر کسی کے پاس واقعی کوئی اہم بات ہو تو وہ رہ جاتی ہے۔ یہ ساری چیزیں عملی ہیں۔ اور یہ باتیں اس وقت سمجھ میں آتی ہیں جب انسان پر بیتتی ہے اور ان کا تجربہ ہوتا ہے' ورنہ تو معلوم ہوگا کہ' معاذ اللہ' اس کی کوئی خاص عملی اہمیت نہیں ہے۔

اس چیز کی روک تھام کے لیے اب فرمایا گیا: ﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُوْلَ فَقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقَةً ۭ﴾ ''اے اہل ایمان! جب تم رسول سے علیحدگی میں کوئی بات کرو (تمہیں تخلیے میں کوئی بات کرنی ہو) تو اس سے پہلے (اللہ کے راستے میں) کچھ صدقہ دے دیا کرو''۔ یہ گویا فیس لگا دی گئی ہے۔ اور یہ فیس حضور ﷺ کو نہیں ملے گی (معاذ اللہ)' بلکہ یہ صدقہ ہے' تاکہ کچھ تو بریک لگے۔ منافقین کو تو مال بہت مرغوب اور محبوب تھا' اور وہی نفاق کی جڑ ہے' تو یہ ایک چھلنی تو لگ جائے گی کہ کوئی صدقہ دے کر پھر علیحدگی میں کوئی بات کرے۔ ﴿ذٰلِكَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاَطْهَرُ ۭ﴾ ''یہی تمہارے لیے بہتر ہے اور پاکیزگی کے اعتبار سے بڑھ کر ہے''۔ ﴿فَاِنْ لَّمْ تَجِدُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۲﴾ ''پھر اگر کچھ بھی نہ پاؤ تو یقیناً اللہ غفور ہے رحیم ہے''۔ اگر کوئی نادار ہے اور اس کے پاس کچھ نہیں ہے تو کوئی بات نہیں۔ لیکن ان ناداروں میں تو وہ منافقین تھے ہی نہیں۔ حضور ﷺ سے جو خصوصی کھسر پھسر کرنا چاہتے تھے وہ تو وہاں کے سردار اور صاحب ثروت و وجاہت لوگ تھے۔ لہٰذا مساکین اور غرباء کے لیے راستہ کھلا رکھا گیا کہ اگر کسی کے پاس صدقہ کرنے کے لیے کچھ نہیں ہے تو کوئی پروا نہیں۔ اصل مقصد تو اس غلط طرزِ عمل کی روک تھام تھا' جس کے لیے یہ چھلنی لگائی گئی ہے۔

﴿ءَاَشْفَقْتُمْ اَنْ تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيْ نَجْوٰىكُمْ صَدَقٰتٍ ۭ﴾ ''کیا تم اس سے ڈر گئے ہو کہ تم (اپنے رسول ؐ سے) تخلیہ میں گفتگو سے پہلے صدقات دیا کرو؟'' گھبرا گئے ہو اس سے؟ ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ ''تو اب جبکہ تم نے یہ نہیں کیا''۔ یہ مشکلات القرآن میں سے ہے۔ بعض حضرات نے سمجھا ہے کہ یہ کسی نے بھی نہیں کیا۔ اور ایک روایت میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس حکم پر عمل کرنے والا سب سے پہلا شخص میں ہی تھا' مجھے حضور ﷺ سے علیحدگی میں کوئی بات کرنا تھی تو میں نے پہلے صدقہ دیا پھر گفتگو کی۔ بعض روایات میں یہ بھی ہے کہ یہ حکم صرف چند گھنٹے کے لیے تھا' اس کے بعد یہ آیت جو اَب ہم پڑھ رہے ہیں' نازل ہو گئی تھی۔ لیکن یہ بات صحیح معلوم نہیں ہوتی' بلکہ اس میں کچھ نہ کچھ وقت لگا ہوگا۔ قرآن مجید میں اس کی مثالیں ہیں کہ بسا اوقات ناسخ و منسوخ دونوں ساتھ ساتھ رکھ دیے گئے ہیں۔ سورۃ المزمل میں اس کی سب سے بڑی مثال موجود ہے کہ آخری آیت جس پر دوسرا رکوع مشتمل ہے' وہ کچھ عرصہ کے بعد نازل ہوئی۔ ہمارے یہاں اس بارے میں اختلافِ روایات ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ ایک سال بعد نازل ہوئی اور بعض حضرات اسے مدنی بھی مانتے ہیں۔ گویا کہ پہلے اور دوسرے رکوع کے مابین دس سے بارہ سال کا فصل ہے' لیکن مصحف میں وہ ساتھ ساتھ ہیں۔ یہی صورت حال سورۃ البقرۃ کے رکوع ۲۳ میں روزہ کے حکم کے بارے میں ہے' جسے اکثر لوگوں نے چونکہ اس پس منظر میں نہیں سمجھا اس لیے بہت سی ٹھوکریں کھائی ہیں۔ وہی معاملہ یہاں بھی ہے۔ کچھ نہ کچھ فصل تو اس میں یقیناً ہوگا۔

یہاں ﴿فَاِذْ لَمْ تَفْعَلُوْا﴾ میں یہ اشارہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم اب اس غلط حرکت سے باز آ گئے ہو اور جو اِس عارضی حکم کا مقصد تھا وہ حاصل ہو چکا۔ بہرحال اس کا ایک ترجمہ تو یہ ہو سکتا ہے کہ تم نے صدقہ نہیں دیا اور ڈر کر حضور ﷺ سے خلوت میں بات کرنا چھوڑ دی۔ اور ایک ترجمہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ جبکہ تم نے اس بے احتیاطی کو ترک کر دیا تو جو ضرورت تھی وہ ختم ہو گئی' لہٰذا اب ہم اپنے اس حکم کو منسوخ کر رہے ہیں۔ ﴿وَتَابَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ﴾ ''اور اللہ نے (عنایت کے ساتھ) تم پر توجہ فرمائی''۔ یعنی نظر عنایت کی۔ اللہ کی توبہ بندوں پر شفقت و رحمت کی نگاہ کرنا ہے۔ اللہ نے تم پر رحم فرمایا' مہربانی کی۔ ﴿فَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۭ﴾ ''تو نماز قائم کرو' زکوٰۃ ادا کرو اور اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول ؐ کی''۔ یعنی جو مطلوب شے ہے وہ یہ ہے کہ اس نظم کو مضبوط کرو۔ اس کے لیے نماز اللہ کے ساتھ تمہارے تعلق کو مضبوط کرنے والی شے ہے۔ اب تم اس نظم اور ڈسپلن کو مضبوط رکھو۔ یہ ڈسپلن فی ذاتہٖ مطلوب نہیں ہے' یہ ایک عظیم مقصد کے لیے مطلوب ہے۔ اور جسے وہ مقصد عزیز ہوگا وہ اس نظم کی امکانی حد تک حفاظت کرے گا' اسے مضبوط رکھے گا' اس میں رخنوں کو روکنے کی امکانی کوشش کرے گا۔ ﴿وَاللّٰهُ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ۝۱۳﴾ ''اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے خوب باخبر ہے''۔

بارك الله لى ولكم فى القرآن العظيم ونفعنى واياكم بالآيات والذكر الحكيم